غدار پاکستان

ڈاکٹر عبدالسلام
پاکستان دشمن قوتوں کی
شخصی یادگار

علامہ ابو ٹیپو خالد الازہری

شیخ سعدیؒ نے کہا تھا کہ وہ دشمن جو بظاہر دوست ہو' اس کے دانتوں کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔ یہ مقولہ نوبیل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام پر پوری طرح صادق آتا ہے جنہوں نے دوستی کی آڑ میں پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ انہیں 10 دسمبر 1979ء کو نوبیل پرائز ملا۔ قادیانی جماعت کے آرگن روزنامہ "الفضل" نے لکھا تھا کہ جب انہیں نوبیل انعام کی خبر ملی تو وہ فوراً اپنی عبادت گاہ میں گئے اور اپنے متعلق مرزا قادیانی کی پیش گوئی پر اظہار تشکر کیا۔ اس موقع پر مرزا قادیانی کی بعض عبارتوں کو کھینچ تان کر ڈاکٹر عبدالسلام پر چسپاں کیا گیا اور فخریہ انداز میں کہا گیا کہ یہ دنیا کا واحد موحد سائنس دان ہے جسے نوبیل پرائز ملا ہے۔ حالانکہ اسلام کی رو سے رسالت ﷺ کا منکر بڑے سے بڑا موحد بھی کافر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے منکر تھے۔ وہ حضور ﷺ کے بعد آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی (جن سے انگریز نے اپنے سیاسی مفادات کے حصول کی خاطر نبوت کا اعلان کروایا تھا) کو اللہ کا آخری نبی مانتے تھے اور اس طرح وہ اپنے عقائد کی رو سے دنیا کے تمام مسلمانوں کو کافر اور صرف اپنی جماعت کے لوگوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ چونکہ قادیانیت مخبروں اور غداروں کا سیاسی گروہ ہے' لہٰذا اس کی سرپرستی کرتے ہوئے سامراج نے ان کے ایک فرد کو نوبیل پرائز دیا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ ایک رشوت ہے جو یہودیوں نے قادیانیت کو اپنے مفادات کے حصول کے لیے دی۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو اپنی جماعت کی خدمت پر "فرزند احمدیت" بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اپنی

جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد کے حکم پر 1966ء سے وفات تک مجلس افتاء کے باقاعدہ ممبر رہے۔ ان کے ماموں حکیم فضل الرحمٰن 20 سال تک گھانا اور نائیجیریا میں قادیانیت کے مبلغ رہے۔ ان کے والد چودھری محمد حسین جنوری 1941ء میں انسپکٹر آف سکولز ملتان ڈویژن کے دفتر میں بطور ڈویژنل ہیڈ کلرک تعینات ہوئے۔ قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے انہیں قادیانی جماعت ضلع ملتان کا امیر مقرر کیا' جس میں تحصیل ملتان' وہاڑی' کبیروالہ' خانیوال' میلسی' شجاع آباد اور لودھراں کی تحصیلیں شامل تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے خانیوال میں سیرت النبی ﷺ کے نام قادیانی جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ اور مرزا قادیانی کا (نعوذ باللہ) موازنہ شروع کیا تو اجتماع میں موجود مسلمانوں میں کہرام مچ گیا اور انہوں نے اشتعال میں آکر پورا جلسہ الٹ دیا۔ چند نوجوانوں نے چودھری محمد حسین کو پکڑ کر جوتے بھی مارے۔ پولیس نے چودھری محمد حسین کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کر لیا۔ دو دن بعد ملتان میں ایک قادیانی اعلیٰ پولیس افسر کی مداخلت سے انہیں رہائی ملی۔

تحریک پاکستان کے مشہور غدار خضر حیات ٹوانہ ضلع سرگودھا کے بہت بڑے جاگیردار اور یونینسٹ سیاست دان تھے۔ انہوں نے اپنی ریاست "کہلا" میں جہاں ہزاروں مزدور' کسان ان کی ہزاروں ایکڑ اراضی پر محنت و مشقت کرتے تھے' کبھی کوئی سکول نہ کھلنے دیا۔ اس خضر حیات ٹوانہ نے حکومت برطانیہ کو جنگ عظیم میں مدد دینے کے لیے 3 لاکھ روپے کا فنڈ اکٹھا کیا۔ مگر 1945ء میں جنگ عظیم اختتام کو پہنچ گئی جس کے بعد وہ 1946ء میں کانگریس پارلیمنٹری پارٹی کے ساتھ مخلوط وزارت کے زیر اہتمام پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنا دیے گئے۔ چونکہ ان کا جمع کیا ہوا جنگی فنڈ تاحال کسی مصرف میں نہ آ سکا تھا' اس لیے انہوں نے انگریز کی تعلیمی پالیسی کے مطابق چھوٹے زمینداروں کے ہونہار فرزندوں کو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجنے کے لیے وظائف کا اجراء کیا۔ چھوٹے درجے کے زمینداروں کے بچوں کو ان وظائف سے محروم رکھنے کے لیے انہوں نے یہ شرط بھی عائد کر دی کہ کوئی زمیندار سالانہ پچیس روپے سے کم ادا نہ کرتا ہو۔ اس مقصد کے لیے کہ

سلام کو بیرون ملک تعلیم کے لیے یہ وظیفہ مل جائے' ان کے والد نے سر ظفراللہ خاں قادیانی' جو ان دنوں وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے' کی سفارش پر ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر سے ایک سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا کہ گورداسپور میں ان کی اراضی ہے جو انہیں ان کے بھائی نے دی ہے جو اسی ضلع میں رہائش پذیر ہیں۔ اس طرح دوسرے امیدواروں کے ساتھ سلام بھی وہ وظیفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ وظیفہ تین سال کی مدت کے لیے مخصوص تھا اور اس کی رقم تین سو پچھتر پاؤنڈ سالانہ تھی۔ اس زمانے کے ایکسچینج ریٹ کے مطابق ایک برطانوی پاؤنڈ تیرہ روپے کا ہوا کرتا تھا۔ سلام نے اس وظیفے کے حصول کی کوشش کے ساتھ ہی کیمبرج داخلے کی درخواست بھیج دی تھی۔ جب ان کے ساتھی سکالرز کو اگلے سال (یعنی 1947ء میں) کیمبرج میں داخلہ دینے کا وعدہ کیا گیا تو سلام کو اسی دن یعنی 3 ستمبر 1946ء کو کیمبرج والوں کی طرف سے ایک کیبل موصول ہوا جس میں انہیں اطلاع دی گئی تھی کہ سینٹ جان کالج میں ان کے لیے ایک غیر متوقع خالی جگہ موجود ہے۔ یوں سلام کا کیمبرج میں داخلہ ہوگیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب برطانیہ پہنچے تو لیورپول کی بندرگاہ پر جو شخص انہیں سب سے پہلے ملا' وہ سر ظفراللہ خاں تھے۔

ڈاکٹر عبدالسلام 1948ء میں اپنی شادی کے سلسلہ میں واپس پاکستان آنا چاہتے تھے مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیرالدین محمود نے انہیں منع کر دیا۔ 1949ء میں وہ پاکستان واپس آئے تو میاں افضل حسین جو پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ سر فضل حسین کے چھوٹے بھائی تھے' ان دنوں پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین تھے۔ انہوں نے کمال مہربانی کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام کے سکالر شپ میں توسیع کر دی۔ اسی سال گرمیوں میں ڈاکٹر عبدالسلام کی پہلی شادی اپنے چچا غلام حسین کی بیٹی امت الحفیظ بیگم سے ہوئی۔ شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد وہ واپس برطانیہ چلے گئے۔

انہوں نے 1951ء میں دوبارہ واپس آکر گورنمنٹ کالج لاہور میں ملازمت کا آغاز کیا۔ گورنمنٹ کالج میں پروفیسری کے دور میں سلام کو کیمبرج یونیورسٹی نے لیکچرر شپ کے عہدے کی پیشکش کی تو سلام نے اسے بخوشی قبول کیا۔ لہٰذا بمطابق حکومت پنجاب کے

نوٹیفکیشن نمبر2 / 6075 مورخہ 16 فروری 1954ء عبدالسلام کو مندرجہ ذیل شرائط پر کیمبرج میں ڈیپوٹیشن پر لیکچرر شپ کے عہدہ پر کام کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

"گورنر پنجاب کی جانب سے ڈاکٹر عبدالسلام ایم اے (پنجاب) بی۔ اے (کیمنٹ) پی ایچ ڈی (کیمنٹ) پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کی خدمات بخوشی تین سال یا اس سے کم (اگر وہ جلد ہی پاکستان واپس آ گئے) مدت کے لیے بحیثیت ریاضی کے سٹوکس لیکچرر (Lecturer Stoekes) یکم جنوری 1954ء سے کیمبرج یونیورسٹی کے سپرد کی جاتی ہیں"

ڈاکٹر عبدالسلام کی کیمبرج میں تقرری کی شرائط حسب ذیل ہوں گی:

سینٹ جان کالج کی فیلوشپ	300 پاؤنڈ
یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرار تنخواہ	450 پاؤنڈ
دیگر الاؤنس	50 پاؤنڈ
کل	800 پاؤنڈ

اس کے علاوہ انہیں سینٹ جان کالج کی طرف سے ایک اپارٹمنٹ دیا گیا جہاں وہ اپنی بیگم اور بیٹی کے ساتھ منتقل ہوگئے۔ یادرہے کہ یہاں رہائش اور کھانا مفت تھا۔ اپنے ڈیپوٹیشن کے عرصہ میں ڈاکٹر عبدالسلام حکومت پنجاب سے غیر قانونی طور پر ایک سو اسی روپے ماہوار خصوصی الاؤنس بھی حاصل کرتے رہے۔ جو لوگ اسے ڈاکٹر عبدالسلام کی جلاوطنی کا نام دیتے ہیں' انہیں اس حقیقت کے پیش نظر اپنے من گھڑت مفروضے پر نظر ثانی کر کے پوری قوم سے معذرت خواہ ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی پرزور سفارش پر ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی (ڈاکٹر آئی ایچ عثمانی) کو صدر ایوب نے 1958ء میں اپنے دور حکومت میں ایٹمی توانائی کمیشن کا رکن بنایا اور پھر ایک سال کے اندر اندر اس کا چیئرمین بنا دیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے امپیریل کالج لندن کے ریکٹر سر پیٹرک لنسٹیڈ کی ملی بھگت سے 500 کے قریب نیوکلیئر فزکس' ریاضی' صحت و طب اور حیاتیات کے طلبہ اور ماہرین کو بیرونی ممالک بالخصوص امریکہ اور برطانیہ کے تحقیقی مرکز میں حکومت کے خرچ پر اعلیٰ تحقیق و تعلیم کی لیے بھیجنے کا منصوبہ بنایا۔ ان طلبہ اور ماہرین کی اکثریت قادیانی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے ڈاکٹر عثمانی سے

اس منصوبہ کو منظور کروا کر ان لوگوں کو باہر بھجوا دیا جو واپس آ کر ملک کے حساس کلیدی عہدوں بالخصوص ایٹمی انرجی کمیشن میں فائز ہو گئے۔ اس کے برعکس امریکی تعلیمی اداروں کے نیوکلیئر فزکس کے شعبہ میں مسلمان بالخصوص عرب طلبہ پر پابندی ہے جو اب تک برقرار ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ 1974ء تک جب تک اس شعبہ میں قادیانیوں کے اثرات تھے' ایٹمی قوت بننے کے سلسلہ میں معمولی سا بھی کام نہیں ہوا۔ حالانکہ صدر ایوب چاہتے تھے کہ ہندوستان کے مقابلہ میں دفاعی قوت مضبوط بنائی جائے لیکن قادیانیوں نے ان کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے بعد جب قادیانی گروپ کے اثرات ختم ہوئے تو پاکستان نے اس شعبہ میں ترقی کی۔

ذوالفقار علی بھٹو ایسا زیرک انسان جانتا تھا کہ قادیانی جماعت غدار ہے ورنہ پکھران (راجھستان) میں بھارت کے پہلے ایٹمی دھماکے نے جو تشویش ناک صورت حال پیدا کر دی تھی' اس کے پیش نظر ذوالفقار علی بھٹو ہالینڈ میں مقیم پاکستانی سفیر کے ذریعے ڈاکٹر قدیر کو فوراً پاکستان نہ بلاتے بلکہ عبدالسلام قادیانی کو اس سلسلہ میں کوشش کرنے کے لیے کہتے۔ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں قادیانی سائنس دانوں پروفیسر شیخ عبداللطیف' مرزا منور احمد' محمود احمد شاہ اور ڈاکٹر محمد افضل نے ہمیشہ سازشیں کیں۔

ڈاکٹر منیر احمد خان کے زمانہ میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن قائم ہونے کے باوجود ایٹمی شعبہ میں معمولی سا بھی کام نہیں ہوا۔ ایوب خان کو جھوٹی رپورٹوں کے ذریعہ طفل تسلیاں دی جاتی رہیں۔ حالانکہ وہ انیس برس تک اس ادارے کے سربراہ رہے لیکن اس کے برعکس جب ڈاکٹر عبدالقدیر نے کہوٹہ میں ایٹمی قوت بننے کے لیے کام شروع کیا تو ڈاکٹر منیر نے جو کہ ڈاکٹر عبدالسلام کا شاگرد تھا' ڈاکٹر عبدالقدیر کی زبردست مخالفت کی۔ حالانکہ وہ نہ تو نیوکلیئر انجینئر تھے اور نہ ہی ڈاکٹریٹ کی تھی' صرف ایم ایس سی تھے۔

ڈاکٹر منیر نے بھٹو دور میں حکومت سے جو مراعات بھی طلب کی تھیں' انہیں فراہم کی گئیں مگر نتیجہ صفر۔ کیونکہ وہ قادیانیوں کی پاکستان دشمن لابی میں بری طرح گھرے ہوئے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ پاکستان ایٹمی قوت بنے۔ حساس اداروں کی رپورٹ کے مطابق انہوں نے پاکستان دشمن ممالک کو ایٹمی راز دیے اور ایسے مواقع بھی آئے کہ اس لابی نے

ڈاکٹر قدیر کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے پاکستان چھوڑ کر ہالینڈ جانے کا ارادہ کر لیا۔ حالانکہ ڈاکٹر خان ہالینڈ میں تیس ہزار روپے ماہانہ لیتے تھے مگر پاکستان کی خاطر صرف تین ہزار روپے پر نوکری کرنے کے لیے راضی ہو گئے۔ مگر بھٹو کی درخواست سے انہیں اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔ بالاخر بھٹو کے علم میں آیا کہ یہ سب کارستانی ڈاکٹر منیر خان کی ہے۔ بھٹو نے اپنے ذرائع سے برگیڈیر زاہد علی اکبر (سابق چیئرمین واپڈا) سے اس کی تصدیق کروائی تو انہیں یقین آگیا کہ ڈاکٹر منیر اینڈ کمپنی' ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو بلاوجہ تنگ کر رہی ہے۔ اور ان کے راستے میں روڑے اٹکا رہی ہے۔ منیر احمد خاں کی پوری کوشش تھی کہ پاکستان نہ ہی ایٹمی دھماکہ کر سکے اور نہ کوئی اس کا کریڈٹ لے۔ اس لیے انہوں نے ڈاکٹر قدیر کے لیے کام کرنا ناممکن بنا دیا۔ بھٹو نے فوری طور پر کوئی وقت ضائع کیے بغیر 31 جولائی 1976ء کو کہوٹہ انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز (پراجیکٹ 706) کے نام سے اسے خودمختار ادارہ بنا دیا جس میں تمام تر عمل دخل صرف ڈاکٹر قدیر کو تھا۔ جس کا سرکاری نام اب ("ڈاکٹر اے کیو خاں ریسرچ لیبارٹریز" ہے۔ یہی کچھ بھارتی مسلمان ایٹمی سائنس دان ابوالکلام کے ساتھ ہوا۔ جنہوں نے حال ہی میں انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ بعض طاقتور لابیوں کے دباؤ کے وجہ سے پاکستان میں کام نہ کر سکا اور واپس ہندوستان چلا آیا۔

10 ستمبر 1974ء کو سلام نے وزیراعظم کے سائنسی مشیر کی حیثیت سے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ اس کی وجہ انہوں نے اس طرح بیان کی:

"آپ جانتے ہیں کہ میں اسلام کے احمدیہ (قادیانی) فرقے کا ایک رکن ہوں۔ حال ہی میں قومی اسمبلی نے احمدیوں کے متعلق جو آئینی ترمیم منظور کی ہے' مجھے اس سے زبردست اختلاف ہے۔ کسی کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ کوئی شخص خالق اور مخلوق کے تعلق میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ میں قومی اسمبلی کے فیصلہ کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا لیکن اب جبکہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور اس پر عمل درآمد کا آغاز بھی ہو چکا ہے تو میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں اس حکومت سے قطع تعلق کر لوں جس نے ایسا قانون منظور کیا ہے۔ اب میرا ایسے ملک کے ساتھ تعلق واجبی سا ہو گا

جہاں میرے فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہو"۔

30 اپریل 1984ء کو قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد قادیانی صدارتی آرڈیننس مجریہ 1984ء کی خلاف ورزی پر مقدمات کے خوف سے بھاگ کر لندن چلے گئے۔ رات کو لندن میں انہوں نے مرکزی قادیانی عبادت گاہ "بیت الفضل" سے ملحقہ محمود ہال میں غصہ سے بھرپور جوشیلی تقریر کی۔ اس موقع پر ڈاکٹر عبدالسلام مرزا طاہر کے سامنے صف اول میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا طاہر احمد نے اپنے خطاب میں صدارتی آرڈیننس نمبر20 مجریہ 1984ء (جس کی رو سے قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا) پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے حقوق انسانی کے منافی قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ احمدیوں کی بددعا سے عنقریب پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مزید برآں انہوں نے امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک سے اپیل کی کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر پاکستان کی تمام اقتصادی امداد بند کر دیں۔ اپنے خطاب کے آخر میں مرزا طاہر نے ڈاکٹر عبدالسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "صرف آپ میرے دفتر میں ملاقات کے لیے تشریف لائیں۔ آپ سے چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔" "فرزند احمدیت" ڈاکٹر عبدالسلام نے اسے اپنی سعادت سمجھا اور ملاقات کے لیے حاضر ہو گئے۔ اس ملاقات میں مرزا طاہر احمد نے ڈاکٹر عبدالسلام کو ہدایت کی کہ وہ ضیاء الحق سے ملاقات کریں اور انہیں آرڈیننس واپس لینے کے لیے کہیں۔ لہٰذا ڈاکٹر عبدالسلام نے جنرل محمد ضیاء الحق سے پریزیڈنٹ ہاؤس میں ملاقات کی اور انہیں جماعت احمدیہ کے جذبات سے آگاہ کیا۔

صدر ضیاء الحق نے بڑے تحمل اور توجہ سے انہیں سنا۔ جواب میں صدر ضیاء الحق اٹھے اور الماری سے قادیانی قرآن "تذکرہ" اٹھا لائے اور کہا کہ یہ آپ کا قرآن ہے اور دیکھیں اس میں کس طرح قرآن مجید کی آیات میں تحریف کی ہے اور ایک نشان زدہ صفحہ کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ اس

صفحہ پر مندرجہ ذیل آیت درج تھی:

انا انزلناہ قریبا من القادیان

ترجمہ: "(اے مرزا قادیانی) یقیناً ہم نے قرآن کو قادیان (گورداسپور بھارت) کے قریب نازل کیا"

اور مزید لکھا ہے کہ یہ تمام قرآن مرزا قادیانی پر دوبارہ نازل ہوا ہے۔ ضیاء الحق نے کہا کہ یہ بات مجھ سمیت ہر مسلمان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور وہ بے حد شرمندہ ہوئے اور کھسیانے ہو کر بات کو ٹالتے ہوئے پھر حاضر ہونے کا کہہ کر اجازت لے کر رخصت ہو گئے"۔

حال ہی میں بھارت نے 11 مئی 98 کو پوکھران میں 3 ایٹمی دھماکے کیے اور 13 مئی 1998ء کو 2 اور دھماکے کیے۔ اس کے جواب میں پاکستان نے 28 مئی 98ء کو چاغی (بلوچستان) کے میدان میں 2 ایٹمی دھماکے کیے اور پھر 30 مئی کو 2 مزید ایٹمی دھماکے کیے۔ روزنامہ "نوائے وقت" کی رپورٹ کے مطابق:

"گزشتہ روز پاکستان کے کامیاب ایٹمی دھماکوں کا اعلان کرتے ہوئے ربوہ کے سرکردہ قادیانیوں کے خفیہ اجلاس منعقد ہوئے۔ ربوہ میں ہو کا عالم تھا۔ قادیانیوں کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے جبکہ مسلمانوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے"۔

("روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' 29 مئی 1998ء)

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے لندن کی مرکزی قادیانی عبادت گاہ "بیت الفضل" میں پاکستانی عوام کو ایٹمی دھماکوں کے خلاف اکساتے ہوئے کہا کہ پاکستان کو ایٹمی دھماکوں کا حق عقل سے استعمال کرنا چاہیے تھا جو اس نے نہیں کیا۔ انہوں نے پاکستان کے مسلمان عوام پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ "ایٹمی دھماکے کر کے جشن منالو' پتہ اس وقت چلے گا جب بھوک ناچے گی۔ جنونی دور ختم ہو گا تو ملک کا رہا سہا نظام بھوکے عوام اپنی بغاوت کے ذریعے ختم کر دیں گے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "ایٹمی دھماکوں سے پاکستان میں درجہ حرارت بڑھ جائے گا"۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' 9 جون 1998ء)

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے خلاف عاصمہ جہانگیر (قادیانی) کی زیر قیادت کم و بیش 2 درجن خواتین و حضرات نے شاہراہ قائداعظم پر احتجاجی مظاہرہ کیا۔ عاصمہ جہانگیر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر اسلام کا مسئلہ نہیں' انسانی حقوق کا مسئلہ ہے۔ اگر وزیراعظم یہ مسئلہ حل کروانا چاہتے ہیں تو وہاں چھیڑ خانی فوراً بند کروائیں۔ مظاہرہ سے قادیانی جماعت (بلوچستان) کے راہنما اور سابق ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی طاہر محمد خاں نے بھی خطاب کیا۔

ہفت روزہ "تکبیر" کے نمائندہ نصراللہ ملغانی اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ "یہ مظاہرہ درحقیقت امریکہ کی زیر نگرانی ان نام نہاد رضاکار تنظیموں کو پاکستان کے ایٹمی دھماکے کے خلاف متحرک کرنے کا نتیجہ تھا جو اپنے آقاؤں کا نمک حلال کرنے کے لیے مستعد رہتی ہیں۔ عاصمہ جہانگیر کی حقوق انسانی کی تنظیم بھی انہی میں شامل ہے جنہیں بیرون ملک سے امداد ملتی ہے اور وہ پاکستان میں مسلمات کے خلاف ہر لحاظ سے محترک رہتی ہیں"۔

(ہفت روزہ "تکبیر" کراچی' 9 جولائی 1998ء)

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے اپنے اداریہ میں لکھا کہ:

"افسوس یہ ہے کہ بھارتی دھماکوں پر انسانی حقوق کی ان تنظیموں نے کوئی مخالفانہ آواز بلند نہیں کی مگر پاکستان کے تجربات پر یہ سیخ پا ہیں۔ حکومت پاکستان کو اس بات کی تحقیق کرنی چاہیے کہ اس قسم کی این جی اوز کو اتنے زیادہ فنڈز کہاں سے ملتے ہیں اور یہ کہ پاکستان کے ایٹمی تجربات کے خلاف عاصمہ جہانگیر اور دیگر خواتین و حضرات کی رائے دیانتدارانہ ہے یا ملنے والے فنڈز کا شاخسانہ تاکہ عوام کو حقیقت حال معلوم ہو اور وہ اس کی روشنی میں پروپیگنڈہ مہم کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکیں"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' 21 جوئی 98ء)

معروف صحافی خوشنود علی خان اپنے کالم "ناقابل اشاعت" میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر عبدالقدیر محسن پاکستان ہیں۔ ان کے خلاف ایک خاص لابی کام کر رہی ہے جسے میں کھلم کھلا قادیانی اور مرزائی لابی کہتا ہوں۔ ان کے پیٹ میں

درد اٹھ رہا ہے کہ کیسے ایک مسلمان نے اتنا بڑا کام کر دکھایا۔ اگر اس لابی کو چین نہ آیا تو پھر میں چھاپ دوں گا کہ یہ کہاں کہاں بیٹھے' کیا کیا کر رہے ہیں"۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' 8 جون 1998ء)

معروف صحافی عبدالقادر حسن اپنے کالم غیر سیاسی باتیں میں "آواز سگاں" کے نام سے لکھتے ہیں:

"ایک صاحب جو پاکستان اٹامک کمیشن کے سربراہ رہ چکے ہیں' ڈاکٹر منیر صاحب جو میرے عزیز دوست فاروق نثار (اے پی پی کے سابق ڈائریکٹر جنرل) اور سابق وفاقی وزیر قانون خورشید احمد کے بھائی ہیں' ان دنوں بڑی زیادتی کر رہے ہیں اور ایٹمی کامیابیوں کا سہرا اپنے سر کے لیے چھیننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ "ہم نے یہ کیا اور ہم نے وہ کیا" وہ انیس برس تک اس ادارے کے سربراہ رہے مگر سوائے ایٹمی توانائی میں پاکستان کی کوششوں کی جاسوسی کے اور کچھ نہیں کیا۔ چنانچہ ان سے تنگ آ کر بھٹو صاحب نے ڈاکٹر قدیر خان کی لیبارٹری کو ایٹمی توانائی کمیشن سے الگ اور خود مختار کر دیا اور صدر ضیاء الحق نے تو کہوٹہ ریسرچ لیبارٹری کا نام ہی سائنس دان عبدالقدیر خان کے نام پر رکھ دیا۔ پہلے بھٹو صاحب اور پھر ضیاء الحق صاحب دونوں نے ایک سے زیادہ بار ڈاکٹر قدیر خان کو خبردار کیا کہ اپنی کوئی بات ڈاکٹر منیر احمد کو نہ بتانا ورنہ وہ امریکہ جاسوسی اداروں کو بتا دیں گے۔ برادرم زاہد ملک نے تو اپنی کتاب میں بھی یہ شرمناک کہانی لکھ دی ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' یکم جون 1998ء)

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے ایک انٹرویو میں ڈاکٹر منیر کی سازشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

"حکومت کے سربراہ سے جھوٹ بولنا بہت غلط کام ہے مگر ایٹمی توانائی کمیشن کے سابق چیئرمین منیر احمد خان اور اس کے چیلوں نے سابق

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ انتہائی ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ تھوڑا سا دھماکہ خیز مواد لے کر زمین میں دبا دیتے ہیں۔ اس میں کوبالٹ اور زنک بھی ملا دیں گے اور پھر اس سے دھماکہ کر کے بھٹو کو بے وقوف بنا لیں گے کہ ہم نے ایٹمی دھماکہ کر لیا ہے۔ مجھے پتہ چلا تو میں نے ذوالفقار علی بھٹو کو صاف صاف بتا دیا کہ ان سب لوگوں کا یہ پروگرام ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر نے کہا کہ میں نے کبھی کسی سربراہ حکومت کو غلط نہ کہا۔ اب اگر ہم نے میاں نواز شریف کو غلط گائیڈ کیا ہوتا اور خدانخواستہ ہمارے پاس کچھ نہ ہوتا تو بھارتی دھماکوں کے بعد ہمارے پاس کیا بچتا۔ کیونکہ دنیا بھر کے سیسمک سنٹر آپ کے دھماکوں کو مانیٹر کر رہے ہوتے ہیں اور آپ کی کارکردگی چھپ نہیں سکتی۔ ساری دنیا نے دیکھا کہ الحمدللہ پاکستانی سائنس دان اور قوم سرخرو ٹھہری"۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' 31 مئی 1998ء)

معروف صحافی جناب زاہد ملک اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"منیر احمد کے بارے میں یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ بھٹو مرحوم اپنے آخری دور میں اسے پہچان گئے تھے۔ یہ دسمبر ۱۹۷۶ء کی بات ہے' گورنر ہاؤس لاہور کی ایک میٹنگ میں' جس میں مولانا کوثر نیازی' آغا شاہی' جنرل (ریٹائرڈ) امتیاز علی' ڈاکٹر امیر محمد خاں موجود تھے' بھٹو مرحوم نے ان کے بارے میں انتہائی سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا تھا (A NEW MAN HE IS A BASTARD. FIND) اس کی تصدیق مولانا کوثر نیازی نے بھی اپنی کتاب "اور لائن کٹ گئی" میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "مسٹر بھٹو سخت ناراض تھے۔ کیونکہ ان کی دانست میں انہیں قوم کے سامنے شرمسار کرایا گیا تھا..... مسٹر بھٹو نے بڑے سخت الفاظ استعمال کیے۔ میں یہاں وہ الفاظ درج کرنے سے قاصر ہوں۔ ان کے طیش کو دیکھتے ہوئے جنرل امتیاز نے تجویز پیش کی کہ ڈاکٹر امیر محمد کو ایٹمی توانائی کمیشن کا چیئرمین لگا دیا جائے اور منیر احمد

کو سیکرٹری تعلیم بنا دیا جائے۔ بھٹو انتہائی غصہ سے بولے

"THROW HIM OUT"

("ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اور اسلامی بم" از زاہد ملک' ص165-166)

روزنامہ "اوصاف" کے چیف ایڈیٹر جناب حامد میر نے تحریک المجاہدین کے زیر اہتمام ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے اور دنیا بھر میں اپنی حیثیت منوالی لیکن حیرانگی اس بات پر ہے کہ دھماکوں کے ساتھ ہی ہمارے محب وطن اور عظیم سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو متنازعہ بنانے کی کوشش شروع ہو گئی۔ یہ کوشش کس نے کی۔ کس نے اسلام آباد میں جگہ جگہ ان کے خلاف بینر لگوائے۔ کس کی کوششوں سے اٹامک انرجی کمیشن کے عملے کو چھٹی کے دن اسلام آباد لا کر ڈاکٹر اشفاق اور ثمر مبارک مند کے حق اور عبدالقدیر کے خلاف نعرے لگوائے گئے۔ کون ہے جو اتنی بڑی کامیابی کی خوشی کو دھندلانے پر تلا ہوا تھا؟ "نیوز ویک" اور "دی ٹائم" امریکن رسالے میں پچھلے دو تین ہفتوں سے ہمارے سائنس دانوں کے حوالے سے جو کچھ شائع ہو رہا ہے' اس کی عملی تفسیر کون مہیا کر رہا ہے۔ آج منیر احمد خان ٹیلیویژن پر آ کر ایٹم بم کی کامیابی کا کریڈٹ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس شخص نے ہمیشہ ایٹمی قوت بننے کے خلاف سازشیں کیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام ایک ثقہ قادیانی تھے اور جنہیں صرف اس لیے نوبیل انعام سے نوازا گیا کہ انہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ناکام بنانے والے لوگوں کو اٹامک انرجی کمیشن میں بھرتی کیا۔ یہ منیر احمد خان انہیں کے لائے ہوئے سائنس دان تھے جن کی پوری کوشش یہ رہی کہ پاکستان کبھی ایٹمی قوت نہ بن سکے"۔

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور' 28 جون تا 14 جولائی 1998ء)

معروف صحافی جناب یونس خلش اپنی کتاب میں ہوشربا انکشافات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بھارت کی طرح یہودیوں کی اسلام دشمنی بھی اظہر من الشمس ہے۔ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مغربی ممالک میں یہودی تعلیم و تجارت' ذرائع ابلاغ اور مختلف مالیاتی اداروں میں پوری طرح چھائے ہوئے ہیں۔ ذرائع ابلاغ پر ان کی گرفت کا عالم یہ ہے کہ بڑے سے بڑے اور بظاہر آزاد و خودمختار اخبارات و رسائل میں بھی ان کی مرضی کے بغیر کوئی چیز شائع نہیں ہوسکتی۔ بغاوت کرنے والے جرائد بائیکاٹ جیسے حربوں کے ذریعے مالی بحران میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں کم و بیش یہی پوزیشن قادیانیوں اور بعض اقلیتی فرقوں کو حاصل ہے۔ قیام پاکستان سے آج تک نہایت اہم اور حساس سرکاری شعبوں میں اعلیٰ مراتب انہی کے قبضہ تسلط میں رہے ہیں۔ صنعت و تجارت' وزارت خارجہ' پلاننگ کمیشن' تعلیم اور ذرائع ابلاغ ان کی تگ و تاز کے خصوصی ہدف ہیں۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے چوہدری ظفراللہ جیسے پرامن قادیانی سے کون واقف نہیں کہ انہوں نے مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈالنے کے لیے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اسی طرح پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین ایم ایم احمد پاکستان کو مالی بحران سے دوچار رکھنے میں اپنے "فرائض" بحسن و خوبی ادا کر چکے ہیں۔ اٹامک انرجی کمیشن کے بارے میں حقائق یکجا کیے جائیں تو بڑے ہوشربا انکشاف ہوسکتے ہیں۔ پاکستان کے نوبل انعام یافتہ ماہر طبیعات ڈاکٹر عبدالسلام کی کوششوں سے کتنے قادیانی حضرات سائنسی تحقیق کے نام پر آگے بڑھے ہیں؟ اعلیٰ سطح پر اس کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے۔ قادیانیوں کی موجودہ حکمت عملی یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پاکستان کو مالی امداد سے محروم کرنے کے علاوہ وطن عزیز کے وقار کو داؤ پر لگایا جائے۔

قادیانیوں کی اس سازش کا تازہ شکار ڈاکٹر عبدالقدیر خان بنے ہیں' جس میں ان کی معاونت یہود و ہنود نے کی ہے۔ "فرنٹیئر پوسٹ" کے منیجنگ ایڈیٹر فرحت اللہ بابر کے بارے میں باخبر ذرائع نے بتایا ہے کہ وہ ڈاکٹر عبدالسلام کے چیلے اور ایک سول انجینئر ہیں۔ ان کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ یہ اپنے اصلی اور جعلی ناموں سے کہوٹہ کے ایٹمی پلانٹ اور یورینیم کی افزودگی کے خلاف پہلے "مسلم" اور دیگر جرائد میں لکھتے رہے اور اب انہوں نے "فرنٹیئر پوسٹ" میں شمولیت اختیار کر کے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو تنقید کا نشانہ

بنایا ہے۔

اسلام اور امت مسلمہ سے بھارت اور اسرائیل کا عناد کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت کے اسرائیل کے ساتھ نہایت خوشگوار سفارتی تعلقات ہیں۔ بھارت اسرائیل تعلقات کے بارے میں "تکبیر" کے ایک شمارے میں تفصیلی مضمون شائع ہو چکا ہے۔ پاکستان کا وجود ان دونوں ممالک کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے' اسی لیے پاکستان نے اسرائیل کے ناجائز وجود کو آج تک تسلیم نہیں کیا ہے۔ لیکن قادیانی حضرات کو یہ "اعزاز" حاصل ہے کہ اسرائیل جیسی کٹر اور متعصب یہودی ریاست میں نہ صرف ان کے مشن کو آزادی سے کام کرنے کی اجازت ہے' بلکہ وہ اسرائیل کی فوج میں بھی خدمات انجام دینے کے اہل قرار پائے ہیں' جس میں سوائے یہودیوں کے کسی اور کو بھرتی ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

تحریک پاکستان کے بزرگ رہنما مولانا ظفر احمد انصاری نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ انکشاف کیا تھا کہ یہودی ہر مسلم مملکت کو نیست و نابود کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ وہ اس کے لیے ہر ذریعے اور واسطے کو استعمال میں لا رہے ہیں اور ان کے آلہ کار بننے والوں میں یہ مرزائی یا قادیانی بھی شامل ہیں' جو اپنے آپ کو "احمدی" کہتے ہیں۔ 1972ء تک اسرائیل میں موجود "احمدیوں" کی تعداد چھ سو تھی' جن پر اسرائیلی فوج کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔ یہ تفصیل پولٹیکل سائنس کے یہودی مصنف آئی ٹی نومانی کی کتاب "اسرائیل اے پروفائل" کے صفحہ نمبر 75 پر موجود ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ "احمدی" پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

مولانا ظفر احمد انصاری نے اپنے اسی انٹرویو میں بتایا کہ بابائے اسرائیل بن گوریان نے جون 1976ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد پیرس کی لوربون یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: (جس کی رپورٹ 9/ اگست 1967ء کو صیہونی رسالے "جیوش کرانیکل" میں چھپی تھی)

"عالمی صیہونی تحریک کو پاکستان کے خطرے سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے اور اب پاکستان اس کا پہلا نشانہ ہونا چاہیے' کیونکہ یہ نظریاتی مملکت

ہمارے وجود کے لیے خطرہ ہے۔ سارے پاکستانی یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ عربوں کے لیے ان کی یہ محبت ہمارے لیے خود عربوں سے بڑھ کر خطرناک ہے کہ اب پاکستان کے خلاف فوری اقدام کیا جائے۔

جہاں تک ہندوستانی سطح مرتفع کے باشندوں کا تعلق ہے' وہ ہندو ہیں۔ جن کے دل پوری تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہندوستان ہمارے لیے پاکستان کے خلاف کام کرنے کا اہم ترین مرکز ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اس مرکز کا پورا استعمال کریں اور تمام ڈھکے چھپے اور خفیہ منصوبوں کے ذریعہ یہودیوں کے دشمن پاکستانیوں پر ضرب لگائیں اور انہیں کچل دیں"۔

بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ بن گوریان کی اس تقریر کے سوا چار سال بعد دسمبر 1971ء میں اندرونی سازش اور بیرونی جارحیت کے ذریعے ڈھاکہ میں داخل ہونے والی ہندو فوج کا ڈپٹی کمانڈر جنرل جیکب ایک یہودی تھا۔

قادیانیوں کے اسرائیل کے یہودیوں سے تعلقات بڑے پرانے ہیں۔ 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد سرزمین فلسطین سے تمام عربوں کو چن چن کر نکال باہر کیا گیا' حالانکہ صدیوں سے یہ ان کا وطن تھا' لیکن وہاں موجود قادیانیوں سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔ قادیانیوں کے "مصلح موعود" مرزا بشیر الدین محمود نے خود نہایت فخریہ انداز میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"عرب ممالک میں بے شک ہمیں اس قسم کی اہمیت حاصل نہیں' جیسی ان (یورپی افریقی) ممالک میں ہے' پھر بھی ایک طرح کی اہمیت ہمیں حاصل ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ فلسطین کے عین مرکز میں اگر مسلمان رہے تو وہ صرف احمدی ہیں"۔

(روزنامہ "الفضل" لاہور' 30/ اگست 1950ء)

یہودیوں اور قادیانیوں کی نظریاتی مماثلت اور اشتراک کا تجزیہ کرتے ہوئے علامہ

اقبالؒ نے 1936ء میں کہا تھا کہ "مرزائیت اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہے کہ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے"۔

("حرف اقبال" لطیف احمد شیروانی ایم اے' صفحہ 115)

علامہ اقبال نے ایک اور موقع پر فرمایا تھا: "ہمیں دنیائے اسلام سے متعلق قادیانیوں کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے"۔

مولوی فرید احمد نے اپنی کتاب "ابر آلود سورج" میں پاکستان کی بیوروکریسی کے ایک رکن رکین کے بارے میں لکھا کہ ایوب خان کی گول میز کانفرنس کو ناکام بنانے میں یہودیوں نے اسے استعمال کیا تھا۔

اسرائیل میں قادیانی مشن کی موجودگی کا ذکر مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے اور مرزا بشیرالدین محمود کے بیٹے مرزا مبارک احمد نے اپنی کتاب "آور فارن مشن" میں کیا ہے' جو 1965ء میں ربوہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے صفحہ 79 پر وہ لکھتا ہے:

"احمدیہ مشن اسرائیل میں حیفہ (ماؤنٹ کرمل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد' ایک مشن ہاؤس' ایک لائبریری' ایک بکڈپو اور ایک سکول موجود ہے۔ ہمارے مشن کی طرف سے "البشریٰ" کے نام سے ایک ماہانہ عربی رسالہ جاری کیا' جو 30 ممالک میں بھیجا جاتا ہے۔ مسیح موعود کی بہت سی تحریریں اسی مشن نے عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ فلسطین کی تقسیم ہونے سے یہ مشن کافی متاثر ہوا۔ چند مسلمان جو اس وقت اسرائیل میں موجود ہیں' ہمارا مشن ان کی ہر ممکن خدمت کر رہا ہے اور مشن کی موجودگی سے ان کے حوصلے بلند ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہماری مشنری کے لوگ حیفہ کے میئر سے ملے اور ان سے گفت و شنید کی۔ میئر نے وعدہ کیا کہ احمدیہ جماعت کے لیے کبابیر میں' حیفہ کے قریب' وہ ایک سکول بنانے کی اجازت دے دیں گے۔ یہ علاقہ ہماری جماعت کا مرکز اور گڑھ ہے۔ کچھ عرصہ بعد میئر صاحب ہماری مشنری دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ حیفہ کے چار معززین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا پرو قار استقبال کیا گیا' جس میں جماعت کے سرکردہ ممبر اور سکول

کے طالب علم بھی موجود تھے۔ ان کے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد ہوا' جس میں انہیں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ واپسی سے پہلے میئر صاحب نے اپنے تاثرات مہمانوں کے رجسٹر میں تحریر کیے۔ ہماری جماعت کے موثر ہونے کا ثبوت ایک چھوٹے سے مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ 1956ء میں جب ہمارے مبلغ چوہدری محمد شریف صاحب ربوہ پاکستان تشریف لا رہے تھے' اس وقت اسرائیل کے صدر نے ہماری مشنری کو پیغام بھیجا کہ چوہدری صاحب روانگی سے پہلے صدر صاحب سے ملیں۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر چوہدری صاحب نے ایک قرآن حکیم کا نسخہ' جو جرمن زبان میں تھا' صدر محترم کو پیش کیا' جس کو خلوص دل سے قبول کیا گیا۔ چوہدری صاحب کا صدر صاحب سے انٹرویو اسرائیل کے ریڈیو پر نشر کیا گیا اور ان کی ملاقات کو اخبارات میں جلی سرخیوں سے شائع کیا گیا"۔

قادیانیوں کے اسرائیل سے تعلقات پر گفتگو کے بعد ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ کیا قادیانیوں نے پاکستان کا وجود تسلیم کر لیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں طوالت سے بچنے کے لیے ہم روزنامہ "الفضل" قادیان کے شمارے مورخہ 5/ اپریل 1947ء میں شائع ہونے والی "اکھنڈ ہندوستان" کے عنوان سے قادیانیوں کے سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی "مجلس عرفان" کا ایک اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی اس مشیت سے کہ اس نے احمدیت کے لیے اتنی وسیع بیس مہیا کی ہے' پتہ لگتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان کو ایک سٹیج پر جمع کرنا چاہتا ہے اور سب کے گلے میں احمدیت کا جوا ڈالنا چاہتا ہے' اس لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہندو مسلم سوال اٹھ جائے اور ساری قومیں شیر و شکر ہو کر رہیں تاکہ ملک کے حصے بخرے نہ ہوں۔ بے شک یہ کام بہت مشکل ہے' مگر اس کے نتائج بھی بہت شاندار ہیں اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ساری قومیں متحد ہوں' احمدیت اس وسیع بیس میں ترقی کرے' چنانچہ اس رویا (خواب) میں اسی طرح اشارہ ہے۔ ممکن ہے عارضی طور پر افتراق پیدا ہو

اور کچھ وقت کے لیے دونوں قومیں جدا ہو جائیں' مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد دور ہو جائے۔

بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں' لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو ہم مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ اگر وہ ہلاکت کے گڑھے میں گریں گے' تو ہم بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور ہماری وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو بھی بچا لے گا۔ یہ تو نہیں کہتا کہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ہماری ہلاکت ہوگی' کیونکہ اللہ تعالیٰ احمدیت کو ہلاک نہیں کر سکتا"۔

واضح رہے کہ اس "مجلس عرفان" میں چوہدری سر ظفراللہ خان بھی "حضور" کے ساتھ مسند پر تشریف فرما تھے اور مجلس کی ابتداء میں "خلیفتہ المسیح الثانی" نے اپنا ایک تازہ خواب سنایا' جس میں گاندھی جی ان کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹنا چاہتے تھے اور ذرا سی دیر لیٹنے کے بعد فوراً اٹھ بیٹھے اور گفتگو شروع کر دی۔

یہود و ہنود سے قادیانیوں کے تعلقات کے علاوہ ایک عجیب بات یہ ہے کہ مذہب کو افیون قرار دینے والے کمیونسٹ عناصر' ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ قادیانیوں کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھے۔ وہ ہر موقع پر قادیانیوں کی مخالفت سے گریز کرتے اور ان کے مسئلہ کو فرقہ وارانہ جھگڑا کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔

اس پس منظر میں پاکستان کے خلاف بھارت اور اسرائیل کے جارحانہ عزائم کی تکمیل میں قادیانیوں کے خفیہ اور اعلانیہ کردار اور کمیونسٹوں کے تعاون کا کوئی راز نہیں رہتا۔ پھر پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام میں نمایاں خدمات انجام دینے والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان ان کی سازش سے کیسے بچ سکتے تھے؟ آخرکار وہ بھی ان کی زد میں آ گئے اور اب ڈاکٹر عبدالقدیر کی شخصیت اور کارنامے ہی متنازعہ نہیں قرار پاتے' بلکہ بعض لوگ ان شکوک و شبہات کا اظہار بھی کرنے لگے ہیں کہ اس نام کی کسی شخصیت کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ جو نام اور جو تصویر اخبارات میں شائع ہو رہی ہے' وہ کوئی اور ہی شخص ہے۔ سازشی عناصر کی یہی کامیابی کم ہے کہ انہوں نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوششوں کے علاوہ وطن عزیز کے ایک مایہ ناز سپوت کو متنازعہ بنا ڈالا"۔

("ڈاکٹر عبدالقدیر اور کہوٹہ ایٹمی سنٹر" از یونس خلش)

ڈاکٹر عبدالسلام کا ہمیشہ اسلام اور پاکستان دشمن شخصیات سے گہرا یارانہ رہا بلکہ رازدارانہ تعلقات رہے۔ امپیریل کالج لندن سے پی ایچ ڈی یافتہ یہودی ڈاکٹر یوول نیمان' ڈاکٹر عبدالسلام کے قریبی دوستوں میں سے ہیں۔ جن کی دعوت پر ڈاکٹر عبدالسلام اکثر اسرائیل کے دورہ پر جاتے رہے ہیں۔ ایک معروف صحافی کے سوال پر کہ جماعت احمدیہ کا اسرائیل میں تبلیغی مشن ہے' اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ڈاکٹر عبدالسلام نے اعتراف کیا تھا کہ .اسرائیل کے قیام سے پہلے کے زمانہ میں ہم وہاں آباد ہیں۔ وہ ہماری جماعت کے اہم آدمی ہیں۔ اسرائیل ان کا وطن ہے' ہم انہیں وطن بدر نہیں کر سکتے۔ رہا میری ذات کا تعلق تو میں ایسا سائنس دان ہوں جو جغرافیائی سرحدوں کا قائل نہیں۔ میرے لیے انسانیت سب سے اہم ہے۔ اگر مجھے کوئی کافر یا غدار کہتا ہے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بوعلی سینا کو بھی کافر اور زندیق کہا گیا تھا"۔

معتبر ذرائع کے مطابق بھارت نے حال ہی میں اپنے ایٹمی دھماکے اسی یہودی سائنس دان کے مشورے سے کیے جو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یوول نیمان امریکہ میں بیٹھ کر براہ راست اسرائیل کی مفادات کی نگرانی کر رہا ہے۔ اسرائیل کے لیے پہلا ایٹم بم بنانے کا اعزاز بھی اسی شخص کو حاصل ہے۔ پاکستان اس کی ہٹ لسٹ پر ہے اور اس سلسلے میں وہ بھارت کے کئی خفیہ دورے بھی کر چکا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ امریکی کانگریس کی بہت بڑی لابی اس وقت یوول نیمان کے لیے نوبیل پرائز کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ اس کی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد امت مسلمہ کو نقصان پہنچانا ہے اور وہ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے ہر وقت مسلمانوں کے خلاف کسی نہ کسی سازش میں مصروف رہتا ہے۔ دنیا کی ہر مسلم دشمن قوت کے ساتھ اس کا براہ راست رابطہ ہے۔ اس نے ٹیکساس اور کیلی فورنیا کی دو بڑی یونیورسٹیوں کے اہم عہدوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تل ابیب یونیورسٹی اسرائیل کے شعبہ فزکس کا سربراہ بھی ہے۔ اس سے پہلے یہ شخص اسرائیل کا وزیر تعلیم و سائنس و ٹیکنالوجی بھی رہا۔ پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام پر اس کی خاص نظر ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان ان کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹکتا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر عبدالسلام کے پاکستان دشمن بھارتی لیڈر نہرو کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ نہرو نے ڈاکٹر عبدالسلام کو آفر کی تھی کہ آپ انڈیا آجائیں ہم آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق ادارہ بنا کر دیں گے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا کہ "وہ اس سلسلہ میں اٹلی کی حکومت سے وعدہ کر چکے ہیں لہٰذا میں معذرت چاہتا ہوں لیکن آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے وہاں کے سائنس دانوں سے تعاون کروں گا"۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی بھارتی "خدمات" کے عوض ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ برائے بنیادی تحقیق بمبئی' انڈین نیشنل سائنس اکیڈمی نئی دہلی اور انڈیا اکیڈمی آف سائنس بنگلور کے منتخب رکن رہے۔ گورونانک یونیورسٹی امرتسر (بھارت)' نہرو یونیورسٹی بنارس (بھارت)' پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ (بھارت) نے انہیں "ڈاکٹر آف سائنس" کی اعزازی ڈگریاں دیں۔ کلکتہ یونیورسٹی نے انہیں سر دیو پرشاد سردا دھیکاری گولڈ میڈل اور انڈین فزکس ایسوسی ایشن نے شری آر ڈی برلا ایوارڈ دیا۔

بھارتی صحافی بھگیت سنگھ کے ساتھ ڈاکٹر عبدالسلام کے ذاتی تعلقات تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب بھی بھارت جاتے' بھگیت سنگھ "ٹائمز آف انڈیا" میں ان پر بھرپور فیچر شائع کرتے۔ انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام پر "Abdus Salam A Biography" (سن اشاعت 1992ء) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کا ایک باب "Jammat The Ahmaddiya" ہے جس میں بھگیت سنگھ نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیے جانے والے 7 ستمبر 1974ء کو پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلہ اور 1984ء کے صدارتی آرڈیننس جس کے تحت قادیانی شعائر اسلامی استعمال نہیں کر سکتے' کی سخت مذمت کی اور قادیانیوں کو "مظلوم" قرار دیتے ہوئے ان اقدامات کو حقوق انسانی کے منافی قرار دیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کے ایک اور بے تکلف دوست جے سی پولنگ ہارو (Horue J.C. Polking) جو کیمبرج میں سلام کے شاگرد تھے اور بعد میں کیتھولک بشپ بن گئے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی درخواست پر ہر سال قادیانی جماعت کے سالانہ جلسوں میں شرکت کرتے رہے۔ یاد رہے یہ وہی پولنگ ہارو ہیں جو پاکستان میں قانون توہین رسالت 295 / C کے خلاف امریکہ میں عیسائی جلوسوں کی قیادت کرتے ہیں۔ جن میں قادیانیوں کی بھی کثیر تعداد

شامل ہوتی ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے جولائی 1994ء میں بیت الفضل لندن میں توہین رسالت ﷺ کی سزا کے خلاف تقریر کی تو مسٹر پولنگ ہارو اپنے کئی بشپ دوستوں کے ہمراہ وہاں موجود تھے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو بڑے بڑے انعامات سے جو رقوم ملیں' ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ایٹم برائے امن ایوارڈ	تیس ہزار ڈالر
نوبیل پرائز	چھیاسٹھ ہزار ڈالر
بارسلونا پرائز	ایک لاکھ ڈالر
ایڈنبرا پرائز	5 ہزار ڈالر

انہوں نے ان تمام رقوم کا 10% حصہ اپنے خلیفہ کے حکم پر جماعت احمدیہ کے فنڈ میں جمع کروایا۔ اس کے علاوہ یحییٰ خاں کے زمانہ میں اس وقت کے سیکرٹری خزانہ ایم ایم احمد قادیانی نے ڈاکٹر عبدالسلام کو "پاکستان سائنس فاؤنڈیشن" کے نام پر ایک کروڑ روپے کی خطیر رقم فراہم کی' جس کے خرچ کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ خدشہ ہے یہ رقم بھی قادیانی جماعت کے فنڈ میں جمع کروا دی گئی تھی۔ پاکستان کے معروف مذہبی و سیاسی راہنما مولانا شاہ احمد نورانی کا بیان آن ریکارڈ ہے کہ:

"..... مرزائیت' یہودیت کی گود میں پروان چڑھ رہی ہے اور پاکستان میں تل ابیب کا ایجنٹ ربوہ ہے' اس کی معرفت جو چاہتے ہیں' کرواتے ہیں..... مذہب کا تو ان لوگوں نے لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی خطرناک سیاسی تحریک ہے اور صیہونیت کی ایک ذیلی تنظیم ہے جو مسلمانوں کے اندر رہ کر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر رہی ہے۔ حکومت تبلیغی مقاصد کے لیے جو بھی رقم خرچ کرتی رہی ہے' وہ اس سلسلے میں بڑی فراخ دلی سے مرزا ایم ایم احمد قادیانی کی معرفت تقسیم کرائی تھی۔ ہر مرزائی مبلغ براہ راست ایم ایم احمد کی اجازت سے اسٹیٹ بینک پہنچتا تھا اور بڑی آسانی سے غیر ملکی زرمبادلہ حاصل کر لیتا تھا اور اس

کے اعداد و شمار اسٹیٹ بینک سے حاصل کیے جاسکتے ہیں"۔

(ارشادات نورانی از ضیاء المصطفیٰ قصوری)

اسی طرح بھٹو دور کے وفاقی وزیر پیداوار' انڈسٹریز و ٹاؤن پلاننگ نے بھی اپنی وزارت کی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام کی پرزور سفارش پر تعلیم الاسلام کالج ربوہ کو 60 لاکھ روپے کی خطیر گرانٹ دی' جس کا حکومت کی طرف سے کبھی کوئی آڈٹ نہیں ہوا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے صاحبان اقتدار نے دانستہ طور پر ڈاکٹر عبدالسلام کی مندرجہ بالا غداریوں اور سازشوں سے مجرمانہ چشم پوشی کی اور ان "خدمات" کے عوض انہیں 1959ء میں ستارہ امتیاز اور تمغہ و ایوارڈ حسن کارکردگی اور 1979ء میں پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز نشان امتیاز دیا گیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور نے ڈاکٹر عبدالسلام کی موت پر "سلام میڈل" کا اجراء کیا جو فزکس اور ریاضی کے شعبہ میں اول آنے والے طالب علموں کو دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے کالج کے اولڈ ہال کا نام "سلام ہال" رکھا اور مزید یہ کہ گورنمنٹ کالج میں ان کے نام کی ایک "چیئر" قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا' جس کی منظوری بھی ہو چکی ہے۔

لہولہان تھا میں اور عدل کی میزان
جھکی تھی جانب قاتل کہ راج اس کا تھا